⊙ ڈاکٹر زاہد حسین دشتی

استاد شعبہ بلوچی، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ

⊙⊙ دردانہ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ تاریخ، گورنمنٹ ڈگری گرلز کالج، سیٹلائٹ ٹاؤن، کوئٹہ

عطا شاد: ادبا و شعرا کی نظر میں

Abstract:

Poetic art in Urdu seems to be stunned in Balochistan as the multilingual environment of the province is completely overflowing with the poetic creation of the native languages. Amid such circumstances, Atta Shad proved to be the shining star in Urdu poetry as he introduced new trends in it. His mastery in the field of lexical choice is pretty enough to prove himself as a real morphologist. He lines are the reflection of nature, its beauty and Ata Shad's close association with natural object which can best be observed in Balochistan. A point worth mentioning about Ata Shad's poetic qualities is that his work is a window through which one can peep into Balochistan. The present study presents a true picture of Atta Shad's personality and his poetic works while at a time exploring the effects of poetic power on his personality. The study is likely to pave way for future researchers to explore Ata Shad as a person and a poet in the same shell.

Keywords:

Atta Shad, Poetry, Language, Balochistan, Literature, Life, Art, Ghazal, Poem

بلوچستان کا خطہ جو آثار قدیمہ کے حوالے سے ہزاروں سال کی تاریخ رکھتا ہے۔ قدیم زمانہ سے لے کر موجودہ دور تک ہر علاقہ، زبان اور ہر قوم میں مختلف شعبہ ہائے زندگی میں ایسی بے شمار شخصیات سامنے آئیں جنھوں نے اپنے شعبوں میں انتہائی اہم کارنامہ ہائے سرانجام دیئے۔ جن کی زندگی اور خدمات کا اعتراف کرنے کے لئے آج کا طالب علم اور اسکالرز اپنے مطالعہ اور تحقیق کے ذریعے ان تمام کارناموں کو سامنے لانے کی کوشش کر رہے ہیں، جان رہے ہیں یا ان

سے آگاہ ہو رہے ہیں اور آنے والی نئی نسل کو منتقل کر رہے ہیں۔

بلوچ معاشرہ میں قدیم زمانہ سے شعر و ادب کی موجودگی قدیم نسخوں اور لوک ادب سے سامنے آ رہی ہیں یا سینہ بہ سینہ منتقل ہو رہی ہیں۔ قدیم شاعری خصوصاً لوک ادب اور قدیم شاعری میں جہاں بلوچ معاشرے کے فرد کے کردار کو نمایاں کیا گیا ہے وہاں ان کی خصوصیات کو انتہائی خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے۔ ان خصوصیات کی تفصیل ایک الگ بحث کا تقاضا کرتی ہیں۔ سرِ دست بلوچ معاشرے یا شخصیت کی خوبیوں میں بہادری، امن پسندی، سخاوت، روایت پسندی، مہمان نوازی اور اپنی ثقافت اور روایات سے بے انتہا لگاؤ شامل ہے۔ ان خصوصیات کو جہاں ماضی کے لکھاری یا دوسرے الفاظ میں مورخوں نے محفوظ کیا وہیں شاعروں اور خصوصاً جدید شاعری میں بھی چند ایسی شخصیات ہیں جن کی شاعری اور خدمات کا اعتراف نہ صرف حکومتی سطح پر کیا گیا بلکہ آج کا طالب علم، ہر عام اور خاص ان شخصیات کی خدمات کو سراہتا ہے:

یہی غم ہے کہ یار آئے نہ آئے
دل تشنہ بکار آئے نہ آئے
یہ فکر خار کیا ہے دست گلچیں
خبر کیا پھر بہار آئے نہ آئے
جہاں کیا ہے شبستان مسرت
کسی کو اعتبار آئے نہ آئے
عطا اب جستجوئے آرزو کر
یہ مہ وش بار بار آئے نہ آئے (۱)

عطا شاد بلوچستان کے جدید شعرا میں وہ نام ہے جنہوں نے نہ صرف بلوچی شاعری کی بلکہ انہوں نے اردو میں انتہائی پایہ کی شاعری کے علاوہ ریڈیو پاکستان کے لئے بلوچی اور اردو ڈرامے بھی تخلیق کئے۔ ان کی شاعری میں جہاں بلوچستان کا فطرتی حسن، یہاں کے لوگوں کے مزاج، خصوصیات اور خاص طور پر محبوب کے حسن، ادا اور میخانے کو اپنی شاعری کے ذریعے امر کر دیا ہے۔

یوں تو عطا شاد کی شخصیت کا مطلب بلوچستان ہے اور بلوچستان کو کسی ایک تحریر میں بیان کرنا انتہائی ناممکن ہے۔ مگر جہاں تک اُن کی شاعری، شخصیت اور بحیثیت ایک سرکاری افسر کے خدمات کو مختلف کتابوں، ٹی وی شو، ریڈیو (تذکروں) اور اخباری تراشوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اُن کا مختصر اور طائرانہ جائزہ لیتے ہیں: سابق چیف سیکرٹری بلوچستان اور نامور ادیب اور محقق حکیم بلوچ ''تلاش دوست'' کے عنوان سے بیان لکھتے ہیں:

> ''کچھ کرم فرما شاد (عطا شاد) کی بادہ پیمائی کو کچھ زیادہ ہی اچھالتے رہے ہیں۔ غالباً اس لئے کہ شاعر کی محرومیوں اور ان سے ملنے والے دکھ کا ان کو احساس نہیں ہوتا۔ جب شاعر اپنی تخلیق کے کرب کا بھرپور اظہار نہ کر سکے۔ اپنے خواب کے بیٹے کو جنم نہ دے سکے۔ اپنے جذبات کی معراج کو نہ پہنچ سکے۔ توانا و زرخیز ذہن رکھتے ہوئے بھی، ادراک چشمہ آب حیات کی ایک ایک

بوند کوترسے

ہمیں معلوم ہے سیرابی چشمہ حیوان
تشنہ لبی، تشنہ لبی، تشنہ لبی(۲)

عطا شاد کا زمانہ وہ دور تھا جب شعرا ئاور ادبا ئاور دیگر شخصیات کی زندگی کے بارے میں لوگوں کی معلومات انتہائی کم تھیں۔اُس دور میں آج کی طرح انٹرنیٹ(Whatsup)(YouTube)(Facebook)(Twitter) یا دیگر ٹی وی چینل اور ہزاروں کی تعداد میں اخبارات و جرائد نہیں ہوتے تھے جن کے ذریعے آج کا شاعر، ادیب اور دیگر شخصیات کے فن، شخصیت اور تخلیقات کے حوالے سے معلومات لوگوں تک ہمہ وقت پہنچتے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ماضی قدیم کی شخصیات کے حوالے سے ہمارے پاس اتنی اہم اور مستند معلومات اور آگاہی نہیں جتنا آج کی شخصیات کے حوالے سے ہر شخص کو دستیاب ہے۔محترمہ فرح جاوید طفیل (چیئر مین پاکستان رائٹر گلڈز) عطا کو یاد کرتے ہوئے بیان کرتی ہیں:

''عطا شاد حصول تعلیم کے بعد عملی زندگی میں قدم رکھتے ہیں آپ نیریڈیو پاکستان میں بطور پروگرام پروڈیوسر ملازمت اختیار کی اور یوں شعروادب کا شعبہ، جوان کا مشغلہ تھا ان کا پیشہ بن گیا۔عطا شاد جو اردو اور بلوچی میں شعر کہتے تھے۔ان کی شاعری کی سب ہی معترف ہیں لیکن کئی لوگ اس کا علم نہیں رکھتے کہ وہ مقبول ڈرامہ نگار بھی تھے۔انہوں نے اردو اور بلوچی زبان میں کئی ڈرامے لکھے۔ڈرامہ لکھنے کے ساتھ ساتھ وہ ایک اچھے صدا کار بھی تھے۔''(۳)

ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے شاعر صرف ایک ہی شعر یا ایک ہی غزل کی وجہ سے پورے معاشرے کے ہر فرد میں اپنی پہچان بنا لیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح کہ کسی فنکار، گلوکار، مصور حتیٰ کہ اُن تمام شعبہ جات میں صرف ایک ہی کارنامہ انجام دینے سے وہ شخصیت امر ہو جاتی ہے۔مگر عطا شاد کے کارنامے اتنے سارے ہیں کہ وہ نہ صرف امر ہو گئے ہیں بلکہ جب کبھی بلوچستان کا نام لیا جائے گا یا بلوچستانی ادب اور شاعری کا حوالہ دیا جائے گا تو اُن حوالوں میں سب سے اول حوالہ عطا شاد ٹھہرتے ہیں۔اور بعض اوقات کسی شاعر کیصرف چند مصرعے ہی نہ صرف اُس کی پہچان بن جاتے ہیں بلکہ اُن کا خطہ بھی جانا جاتا ہے۔ جب درج ذیل اشعار کو کہیں پڑھا جائے گا یا بلوچستان کی مہمان نوازی، پیار اور محبت اور وفا کی پہچان عطا شاد کے یہ نظم ہے:

''میرے زمین پر
ایک کٹورے پانی کی قیمت
سو سال وفا
آؤ اپنی پیاس بجھائیں
زندگیوں کا سودا کریں''(۴)

یقیناً آج کا انسان سب سے زیادہ امن، وفا اور محبت کا پیاسا ہے۔مگر بلوچستان کے لوگوں میں جہاں دیگر خوبیاں زبان زد عام ہیں۔وہاں عطا شاد کے بیان کردہ اشعار کی طرح ہر بلوچستانی یہاں امن، محبت اور وفا کی بات کرتا ہے۔مگر تمام جاندار

وں کی طرح مادی اشیاء بھی اپنی ضدین رکھتی ہیں۔ یہ چیزیں یک طرفہ نہیں ہوتی ہیں بلکہ ہر دونوں طرف سے تقاضائے وفا عہد کا تقاضا کرتی ہیں۔فطرت بھی انسان کو صرف دوصورتوں میں زندہ رہنے کی اجازت دیتا ہے۔مگر اگر ہم فطرت کے قوانین کے خلاف جائیں گے ایسے حکومتی اور عوامی سطح پر عوامل ہوں گے جن سے فطرت بھی انسان سے روٹھ جاتی ہے۔ جب ہم عطا کی نظم پانی پینے یا پانی فراہم کرنے کی بات کرتے ہیں تو فطرت ہم سے تقاضا کرتی ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ آلودگی سے اپنے فطرت کو بچائیں، درختوں کی کٹائی کے بجائے زیادہ سے زیادہ اُگانے پر توجہ دیں۔ پانی جو ہر روز مختلف خطوں میں ناپید ہوتا جارہا ہے۔ اس کے استعمال میں کفایت شعاری اختیار کریں۔اور اس کو ذخیرہ کرنے کے لئے اقدامات ہونے چاہیں۔ بہر حال ہم نے عطا شاد کی شاعری کی معروضات کو لے کر یہ تذکرہ کیا مگر ہم یہاں زیادہ سے زیادہ عطا شاد کو جاننے کی کوشش کریں گے وہ بھی ان کے دوستوں اور بہی خواہوں کے الفاظ میں۔عطا شاد کو یاد کرتے ہوئے طاہر محمود خان لکھتے ہیں:

> ''عطا کی کلاسیکی بلوچی شاعری کی معنوی پیروی کرتے ہیں۔ بلکہ بعض اصطلاحوں کا بھی آزادانہ استعمال کرتے ہیں۔لیکن ہیئت میں ہر جگہ پیروی نہیں کرتے جیسے ان کی نظموں کا کہیں کہیں کلاسیکی شاعری کے تتبع میں ہے۔لیکن وہ خیال کو قافیہ اور بحر کے تابع رکھنے کے قائل نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا جھکاؤ آزاد اور غیر مقفی شاعری کی طرف رہا۔ان کی اچھی اور بامقصد شاعری بلینک درس میں ہے۔ان کی بیشتر بلوچی نظمیں موضوعاتی (Thematic) ہیں۔''(۵)

اسی طرح عطا شاد کی شاعری اور اُن کے خیالات کو مختلف شخصیات نے مختلف مواقعوں پر بیان کیا ہے اور کرتے رہیں گے اُن کی پیدائش اور برسی میں مقامی میڈیا اس سلسلے میں خصوصی نشریات اور اشاعت کا اہتمام کرتی ہے جبکہ اس کے ساتھ ساتھ کچھ ادبی ادارے اور شخصیات ایسے بھی ہیں جو اپنے مجلوں کے ذریعے مختلف ادباء اور شعراء کی رائے کو سامنے لانے کا کام کرتی رہی ہیں۔سلطان ارشد قادری کی ادارت میں شائع ہونے والے ''دستگیر'' عطا شاد نمبر میں مختلف ادباء اور شعراء خصوصاً بلوچستان کے ادباء اور شعراء کی رائے کو شائع کیا۔''ادب کی سوشل مارکیٹنگ اور عطا شاد'' کے عنوان سے ڈاکٹر بیرم غوری عطا شاد کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''سامراجی ثقافتوں کی یلغار میں عطا شاد کی ''سوشل مارکیٹنگ'' بڑی معتبر روایت کو آگے بڑھاتی ہے۔وہ ہوا کی تازگی اور پانی کی چمک پر ''سوسال کی وفا'' کو ترجیح دیتی،سورج کے اُجالے سے سماجی مساوات کو اجاگر کرتی اور برف مکاں سے سورج کی تھپک اور ہوا کی دستک کا سوال اٹھاتی ہے۔ان کا جمالیاتی استدلال،عمرانی حوالوں سے سفر کرتا ہوا،جغرافیائی تقسیم کاری کے نظام کو روندتا ہوا......طبقاتی حوالوں کے دُھند لکے سے،فکر کی زمینوں پر اُترتا اور ''خواب کی شہریت'' کا مطالبہ کرتا ہے۔ان کے یہاں ثقافت جارح ہے یا مجروح!ان کی نظم ''آدمی'' صرف دو عالمی ثقافتوں کی نشاندہی کرتی ہے۔''(٦)

جس طرح ہر شخص کسی نہ کسی حوالے سے زیادہ سے زیادہ شہرت حاصل کرتا ہے۔ جیسے بعض ادباء کی ناول، افسانے، نظمیں،

غزلیں یا شاعری کی دیگر اصناف میں اُن کی طرۂ آزمائی اُن کی پہچان بن جاتا ہے۔عطا شاد کی شاعری اور ڈرامہ نگاری میں جہاں دیگر بہت سے حوالوں کا ذکر ملتا ہے وہاں واحد بزدار اپنی کتاب ''فکر وفن'' میں عطا شاد کی شاعری کے پہلوؤں میں سے نظم کے حوالے بیان کرتے ہیں۔

''عطا شاد رجحان ساز (Trend maker) تخلیقی شخصیت کے مالک تھے۔اور ان کا سب سے بڑا کارنامہ بلوچی نظم میں آزاد نظم کا فروغ ہے۔گو کہ سب سے پہلے آزات جمالدینی ہی نے بلوچی شاعری میں آزاد نظم کا تجربہ کیا اور اسے بنیاد فراہم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔لیکن عطا شاد تک آتے آتے نظم نے جہاں نئے رویوں اور رجحانات کو اپنے اندر سمو لیا۔وہیں عطا شاد کے وسیلے سے نئی لفظیات و تجربات نے نظم کے کینوس میں بڑی کشادگی اور وسعت پیدا ہوئی۔''(۷)

آج دنیا زندگی کی مختلف شعبوں میں ترقی کے انتہائی اہم مقام پر پہنچ چکی ہے۔آج ہر شخص اپنے کام اور کارناموں کا جہاں اپنے شعبوں میں مختلف حوالوں سے حوصلہ افزائی کی صورت میں ثمر پاتا ہے۔وہاں مختلف سرکاری، نیم سرکاری اداروں اور تنظیموں کی جانب سے اپنے شعبے میں اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والوں کے لئے تحفے، تحائف کے علاوہ نقد انعام اور شیلڈ وغیرہ کی صورت میں مذکورہ شخص کے کام کا صلہ دیا جاتا ہے۔جو کہ عطا شاد کے زمانے میں نہ ہونے کے برابر تھا۔شاذ و نادر ہی حکومت کی جانب سے خاص مواقعوں پر شخصیات کو ایوارڈ یا انعام دیا جاتا ہو۔اگر اس حوالے سے دیکھا جائے تو عطا شاد نے نہ صرف بہترین اردو اور بلوچی شاعری کی بلکہ اُن کے لکھے ہوئے ڈراموں پر بہت سے انعامات اور اعزازات فراہم کئے جاسکتے ہیں۔اس سلسلے میں اُن کے ڈراموں کو مرتب کرنے والے حلیم مینگل اپنی کتاب ''آواز کے سائے'' جو کہ عطا شاد کے ایک اردو ڈرامے کا عنوان ہے۔مذکورہ کتاب میں محترم عابد رضوی عطا شاد کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

''ملک کے ممتاز شاعر عطا شاد جو اردو اور بلوچی میں شعر کہتے تھے۔ان کی شاعرانہ عظمت کا پورا ملک معترف ہے۔لیکن بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ عطا شاد بہت مقبول ڈرامہ نگار بھی تھے انہوں نے اردو اور بلوچی زبانوں میں ریڈیو کے لئے ڈرامے تحریر کئے۔اور نہ صرف ڈرامہ لکھنے پر قادر تھے بلکہ بہت اچھے صداکار بھی تھے۔ان کا ایک مشہور کردار ''ناکو'' کا تھا جو وہ بلوچی زبان کے دیہی پروگرام ''نوکیں نوبت'' میں خود ادا کرتے تھے۔''(۸)

ہم کسی اور عنوان سے عطا شاد کی فن اور شخصیت کو بیان کریں گے چونکہ یہاں ہم مختلف شخصیات کی نظر میں عطا شاد کو جاننے کی کوشش کررہے ہیں۔جس طرح ذکر ہو چکا ہے کہ سینکڑوں کی تعداد میں شخصیات نے اُن کو تسخیر کرنے کی کوشش کی ہے۔مگر بدقسمتی سے وہ دیگر زبانوں میں ہے جن کو من وعن ہم بیان نہیں کرسکتے ہیں۔ہاں البتہ اردو زبان میں دستیاب مواد میں بھی بہت سے شخصیات نے ان کی شخصیت، فن اور شاعری کا تذکرہ اپنے حوالوں سے کیا ہے۔بالکل اسی طرح کتاب ''من پہ مرگ گارنباں، عطا شاد زندہ ازم'' میں یوسف گچکی ''کوہساروں کا شاعر عطا شاد'' کے عنوان سے تحریر کرتے ہیں۔

''پیروں اور آستانوں سے مانگا ہوا محمد اسحاق جب لال خان کے گھر پیدا ہوا تو غریب باپ کے

پاس ایک تھوڑے ذار بندوق بھی نہ تھی کہ بیٹے کی پیدائش کی خوشی میں اپنے قبائلی رسم کے مطابق چند لمحوں کے لئے ''سنگانی سر!'' (تربت) کی فضا گولیوں کی سنسناہٹ سے گونج اٹھتی۔ مگر خواتین نے تو اپنے روایتی انداز میں شادیانے بجائے، دھول کی تھاپ پر بچیوں نے اپنی خوشی کا اظہار کیا، محلے کے گھروں میں حلواہ پہنچایا گیا اور اپنے رواج کے مطابق سات راتوں تک جاگ کر عزیز و اقارب اور ہمسائے کی خواتین صفت گاتی رہیں۔''(۹)

جس طرح ہم جان گئے کہ عطا شاد کا قبیلہ اور خاص طور پر بلوچ قبائل میں کسی بچے کی پیدائش خاص طور پر لڑکے پیدا ہونے کی صورت میں انتہائی خوشی منائی جاتی ہے جبکہ آج کا معاشرہ لڑکی اور لڑکے میں فرق نہیں کرتا کیونکہ دونوں کو زندگی میں ایک جیسے مواقع حاصل ہے اور اُن میں سے ہر ایک اپنی محنت اور کوشش اور لگن سے اپنا نام اور مقام پیدا کرتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ بلوچ معاشرے میں لڑکی یا عورت کو انتہائی خاص مقام حاصل ہے۔ بہر حال ہم محمد اسحاق (عطا شاد) کے پیدائش کی خوشی کو بیان کر رہے تھے۔ یہی لڑکا بڑا ہو کر اپنے محنت اور جدوجہد سے جو مقام حاصل کرتا ہے شاید ہی اُن کے دور میں کسی اور شخصیت کو حاصل ہو۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ عطا شاد کی شاعری میں جو پختگی اور خیالات کا اظہار ہوتا ہے وہ تو تھے ہی انتہائی اہم مگر اُن کے ڈراموں کے مرکزی خیال میں چند ایسے ڈرامے بھی ہیں جو اُس دور میں کسی کے وہم اور گمان میں بھی نہیں تھے اُن موضوعات کو اپنے مرکزی خیال میں کرداروں کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا۔ جیسا کہ ہم سائنس وفکشن کی فلموں میں اور آئیڈیاز میں کائنات یا انسانی زندگی کے مستقبل میں ہونے والی ترقی، انسان کی حالت، سائنس کی ترقی کے کرشمات اور دیگر موضوعات شامل ہیں۔ بالکل اسی طرح عطا شاد بھی آج سے کئی دہائیاں پہلے اسی طرح کے خیالات رکھتے تھے۔ اکادمی ادبیات کے سابق چیئرمین اور نامور شاعر جناب افتخار عارف افضل مراد کی مرتب کردہ ''عطا شاد: شخصیت و فن'' کے پیش نامہ میں لکھتے ہیں:

''عطا شاد ہماری ادبی تاریخ کا بہت اہم اور انتہائی لائقِ توجہ باب ہیں۔ آپ کو اردو، انگریزی اور بلوچی زبان پر یکساں عبور حاصل تھا۔ عطا شاد نے اپنی شاعری میں معاشرے کی بنیادی آفاقی انسانی قدروں کی ترجمانی کی ہے۔ آپ نے بھرپور سیاسی اور ثقافتی زندگی گزاری۔''(۱۰)

جیسا کے آج کے دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے ادبا اور شعرا اپنی مادری زبان کے علاوہ دیگر زبانوں میں بھی طبع آزمائی کرتے ہیں۔ جو کہ ایک انتہائی اہم اور حوصلہ افزا امر ہے۔ وہاں مختلف زبانوں کے بولنے والوں کے درمیان مذکورہ شعرا جو مختلف زبانوں میں شاعری یا اپنی تحریروں میں زبانوں سے کام لیتے ہیں۔ وہ اس لئے بھی سراہا جانے کے قابل ہے کہ ان کی اس کوشش سے دیگر زبانوں کے درمیان قربت اور ایک دوسرے کو جاننے کا موقع ملتا ہے۔ اور بلوچستان خاص طور پر اور کوئٹہ بالخصوص وہ جگہ ہے جہاں پر پانچ سے زیادہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ یقیناً جتنی زیادہ زبانیں ہوں گے۔ اتنی زیادہ تعداد میں کتابیں اور قاری پیدا ہوں گے۔ عطا شاد یوں تو تربت میں پیدا ہوئے۔ مگر انہوں نے اپنی زندگی کا زیادہ تر عرصہ کوئٹہ میں گزارا۔ جس کی وجہ سے کوئٹہ کے دیگر زبانوں کے شعرا مختلف مشاعروں اور محفلوں میں ان کو قریب سے سننے اور جاننے کا موقع ملا۔ جو کہ آج کے دور میں سوشل میڈیا کی وجہ سے ملک اور دنیا کے ہر کونے کے ہر شعبہ ہائے

زندگی کے افراد سے ملاقات کا موقع دستیاب ہے۔یا وہ ان کو سن اور پڑھ سکتے ہیں۔

اکادمی ادبیات پاکستان، ملک کا تقریباًوہ واحد ادارہ ہے جس نے ملک کے نامور ادباءاور شعراء کی شخصیت اور فن کے حوالے سے کتاب شائع کرنے کا بیڑا اٹھا رکھا ہے۔وہی اس ادارے کی جانب سے تمام صوبوں میں بولی جانے والی زبانوں کے ادبی اداروں کی مالی مدد بھی کرتا ہے۔اس کے علاوہ اکادمی ادبیات پاکستان مالی طور پر کمزور ادباءاور شعراء کی بھی مالی مدد میں آگے آگے ہے۔ جوکہ انتہائی احسن اقدام ہے۔اس سلسلے میں ملکی اس ادارے کی جانب سے ۲۰۰۷ء میں ''پاکستانی ادب کے معمار'' کتابی سلسلے میں عطا شاد:شخصیت اور فن کے حوالے سے ایک خوبصورت کتاب شائع کرنے کا اہتمام کیا۔جس کو براہوئی اور اردو کے نامور ادیب،شاعر،ڈرامہ نگار اور کمپیئر اور اکادمی ادبیات پاکستان بلوچستان کے سابق ریذیڈنٹ ڈائریکٹر جناب افضل مراد نے مرتب کیا۔اس کتاب میں جہاں عطا شاد کی شخصیت اور فن کے مختلف پہلوؤں کا تذکرہ شامل ہے وہیں اس کتاب میں عطا شاد کی شاعری کی گہرائی اور پختگی کا بھی جائزہ لیا گیا ہے اور انہیں ملک کے اہم شاعر کی حیثیت سے خراج تحسین پیش کیا گیا ہے۔کتاب کے''پیش لفظ'' میں افضل مراد تحریر کرتے ہیں:

> ''ایک بلوچستانی کے طور پر عالمی سماج کا حصہ ہوتے ہوئے اور اس ہر لحظہ بدلتی دنیا کے تازہ اختراعی منظر نامے کے عمومی قاری کے طور پر میں نے تخلیقی تازگی، موضوعاتی تنوع، اظہار کی جدت،پیشکش کے حسن،صوتیاتی عکس کاری،لسانی اشتراکات اور انسانی جمالیاتی وسائل یکجا کیئے ہیں۔لیکن عطا شاد، اس سب رسمی اور غیر رسمی جملوں، معیارات اور جانکاریوں کے اس پار، صرف ایک زندہ،مضطرب، فعال اور اپنے اردگرد کو بدل دینے کی صلاحیت رکھنے والے شاعر اور بے انتہا محبت کرنے والے انسان ہیں۔عطا شاد،فیض نژاد، غالب سرشت، میر اندوخت، خوشحال خیال، شاہ حسن صفت، بھٹائی خو اور طوق علی مست مزاج ہیں، یہ اظہار یہ شاید اجنبی اسلوب ہوگیا ہے۔ یقیناً اس لئے جس شخصیت کا ذکر ہے۔ وہ روایتی معنوں میں سمیٹ نہیں سکتی۔یہ دریا اپنی مٹی اپنے ساتھ لایا ہے۔''(۱۱)

بلوچستان کی سرزمین کے قدرتی حسن اور یہاں کے باسیوں کے حوالے سے جو خوبیاں مورخ بیان کرتا ہے اُن پر بلوچستان کا موجودہ باسی بھی پورے طور پر خود کو منتقل کرنے کے لئے ہمہ تن گوش ہوکر اپنے ماضی سے لگاؤ رکھتا ہے۔اس سلسلے میں بلوچستان کے تاریخی حوالے جن میں زیادہ تر کا حوالہ انگریز حکمرانوں یا انگریز مورخین کی جانب سے مرتب کیا گیا ہے۔اس سلسلے میں خود بلوچستان کے محقق اور مورخین سے بلوچستان کو جانا، پہچانا اور پرکھ، سمجھ کر اس کو بیان کیا۔ بلوچستان کے ماضی قریب کے نامور شاعر عطا شاد کو کوہساروں کا شاعر بھی کہا جاتا تھا۔اور اُن کی شاعری میں اپنے کوہ و دمن سے محبت اور ان کی انسانوں کو اپنے دامن میں جہاں پناہ دی وہیں ان کوہ و دمن سے آج تک انسان اپنے جسمانی اور روحانی علاج کا بھی کام لیتا رہا ہے۔ان میں بہتے چشمے اور ٹھنڈا پانی اور بہار کے موسم میں ان پہاڑوں میں مختلف قدرتی جڑی بوٹیاں اپنی خوشبو پھیلاتی ہیں تو انسان محو حیرت کا شکار ہوکر ان جڑی بوٹیوں کو جانداروں کے بجائے خود بھی اپنے علاج کے لئے استعمال میں لاتا ہے۔حکیم بلوچ عطا شاد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

’’عطا کوہساروں کی مانند بلند و بالا ارفاعات کو چھو لینے کے متمنی تھے۔شاید اس لئے ’’کوہ کاب‘‘
ابتدائے سخن کا ایما بنا۔یعنی اسی کے مجموعہ کلام میں پہلی نظم کا یہی عنوان ہے اور وہ یوں کہتے ہیں:

یہ چشمے کے پانی میں کیسا غبار آ گیا ہے
گزرتے ہوئے کاروانوں کی یادیں
جلے پتھروں پر
ٹھہرتی شبوں کی، یہ کیا راکھ لکھ کر گئی ہیں
شکستہ طنابوں پہ خیموں کی تحریر کیا تھی
پڑھی بھی نہ جائے، سنی بھی نہ جائے
وہ بوڑھی زبانوں کی مشفق کہانی تھی کیا
نفش جن کے ہواؤں نے کملا دیئے ہیں‘‘(۱۲)

اگر بلوچستان کے اس عظیم شاعر کی خوبیاں بیان کرنے کے لئے الگ سے تفصیلی تحریر کی ضرورت ہمیشہ پیش آتی رہی ہے۔کیونکہ بلوچستان دنیا کی دیگر اقوام کی طرح اپنے ماضی اور ماضی کے کرداروں چاہے وہ کردار کسی جنگجو، فاتح، شاعر، ادیب یا دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھتا ہو ان سے بے انتہا لگاؤ رکھتا ہے اس کے ساتھ ساتھ آج کے نسل کو بھی ان کرداروں کے بارے میں جاننے والی دلچسپی قابل دید ہے۔

اس سلسلے میں کسی بھی شخصیت کے کارناموں اور خدمات کیا عتراف کے لئے اُس دور میں وسائل اور ابلاغ کے نہ ہونے کے باوجود سینکڑوں لوگ بذریعہ خطوط، ٹیلی فون یا یار کے ذریعے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے تھے۔اسی طرح دستیاب مواد میں بھی ایسے سینکڑوں نام گنے جاسکتے ہیں یا اُن کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے جنہوں نے عطا شاد کی شخصیت اور اُن کی خدمات کو اپنی نظر سے کس طرح جانچا، اور اُن کے کام کو کس معیار اور پائے کا پایا۔مگر اُن میں سے زیادہ تر بلوچی اور دیگر زبانوں میں ہیں جن کو دستیاویزی شکل دینے کی اشد ضرورت ہے۔عطا شاد کے بارے میں تحریر کئے گئے مواد کو آج کے نوجوان اپنے سوشل میڈیا کے ذریعے بھی بہت سارے لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں۔اور ضرورت بھی یہی ہے کہ بجائے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے ہم علم اور تخلیق سے اپنا ناطہ جوڑیں جو کہ عطا شاد اور ان جیسے دیگر ہماری شخصیات کا مشن رہا تھا اور آج بھی ہے کہ ہم دنیا کے دیگر اقوام کا مقابلہ صرف علم ہی ذریعے کر سکتے ہیں۔

اس لئے خاص طور پر بلوچی زبان میں اُن کے بارے میں دستیاب مواد کو نہ صرف دوبارہ شائع کرنے کا اہتمام کیا جائے بلکہ اُن کو (Short film)، اسٹیج ڈرامہ، ٹی وی، ریڈیو اور ہو سکے تو تعلیمی نصاب میں شامل کر کے ہم اپنے ماضی کے انتہائی، ذہین اور دور اندیش، دانشورانہ سوچ کے حامل عطا شاد کے بارے میں معلومات کو فراہم کرنے کا اہتمام کر سکتے ہیں۔جو کہ نہ صرف ملک، قوم اور بلوچستان کے لوگوں کے لئے باعث فخر اور عزت ہے وہ کسی بھی طور پر نظر انداز نہیں کئے جا سکتے ہیں۔

عطا شاد کو ادباء اور شعراء جس نظر سے دیکھتے ہیں۔اس کا اندازہ مذکورہ بالا تحریر کے پڑھنے سے بخوبی ہو گیا ہوگا۔

ہم یقیناً یہ کہہ سکتے ہیں آج جب عطا شاد جسمانی طور پر ہمارے درمیان نہیں مگر اُن کی شاعری زبان زدِ عام ہے۔لوگ اپنے بچوں کا نام عطا یا شاد رکھ رہے ہیں۔ بہت سے شاعر اور ادباء اپنے لئے شاد کا تخلص پسند کر رہے ہیں۔مگر یہ سب کچھ بھی نہیں۔اصل میں دنیا کی دیگر اقوام میں زندہ رہنے اور مقام پانے کے لئے بلوچستان کے لوگوں کو اپنی جغرافیہ، زبان، ثقافت، تہذیب وتمدن اور تاریخ سے لگاؤ ہونا چاہیئے یہ اس حد تک ہو کہ درسی کتب، ادبی، تخلیقی اور دیگر موضوعات پر شائع ہونے والے کتابوں میں نہ صرف اُن شخصیات کا ذکر کر کے انہیں زندہ رکھنے کی ذمہ داری اپنائی جائے بلکہ اُن کی کوششوں اور جدوجہد کو آگے بڑھانے اور اس کو نئی جہت دینے کے لئے اُن سے زیادہ سے زیادہ آگاہی اور معلومات کو اکٹھا اور یکجا کر کے نئی نسل اور پوری دنیا کو ان تک رسائی فراہم کی جائے۔کیونکہ آج ایک کلک سے ہر موضوع اور ہر شخص کی زندگی کے بارے میں معلومات ہم حاصل کر سکتے ہیں اور یہ مختلف سرکاری، نیم سرکاری ادبی اداروں اور صاحب حیثیت افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنا قومی فریضہ انجام دے کر ماضی کو محفوظ کر کے حال اور مستقبل کو سونپ جائیں۔

حوالہ جات

۱۔ افضل مراد، عطا شاد: شخصیت و فن، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، پاکستان، ۲۰۰۷ء)، ص ۲۵

۲۔ بلوچ، حکیم شبیہ شاد، (کوئٹہ: قلات پبلشرز، ۲۰۰۳ء)، ص ۱۸

۳۔ حلیم مینگل، فلیپ: آواز کے سائے، (بلوچستان: پاکستان رائٹرز گلڈ، ۲۰۲۱ء)

۴۔ راشد حسرت، بصر قادر، عزیز عارف آدینک، (بلوچستان: اکیڈمی تربت، ۲۰۱۶ء)، ص ۱۷۲

۵۔ اے آر داد، عبدالصبور، من پہ مرگ گارنباں، (کوئٹہ: جامعہ بلوچستان، ۲۰۱۵ء)، ص ۶۳

۶۔ ارشد سلطان قادری، دستگرو (عطا شاد نامہ)، (کوئٹہ: ناشاد پبلشرز، سن ندارد)، ص ۴۹

۷۔ واحد بزدار، فکر و فن، (کوئٹہ: بلوچی اکیڈمی، ۲۰۰۶ء)، ص ۹۲

۸۔ افضل مراد، عطا شاد: شخصیت و فن، ص ۵

۹۔ اے آر داد، عبدالصبور، من پہ مرگ گارنباں، ص ۶۷

۱۰۔ افضل مراد، عطا شاد: شخصیت و فن، ص ۷

۱۱۔ ایضاً، ص ۹۔۱۰

۱۲۔ بلوچ، حکیم شبیہ شاد، ص ۲۴۔۲۵